علامہ ابن تیمیہؒ کے معاشی نظریات

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

عظیم مفکر اور مصلح علامہ ابن تیمیہؒ سن ۱۲۶۳ عیسوی میں عراق کے شہر حرّان میں پیدا اور سن ۱۳۲۸ عیسوی میں شام کے شہر دمشق میں وفات پائی، جو اس وقت مصر کے مملوک سلاطین کی عملداری میں تھا۔ انھوں نے اپنی اصلاحی کوششوں سے نہ صرف اپنے عہد میں بلکہ آنے والی صدیوں کے لئے انقلابی روح پھونک دی۔ ان کی زندگی ہی میں ان کے افکار مصر سے لے کر ہندوستان اور چین دور دور پھیل گئے تھے۔

ابن تیمیہؒ کا عہد: تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی ـــــ بے شمار انقلابات سے بھرا ہوا ہے۔ اول مغلوں نے صدیوں پرانی عباسی خلافت کا بغداد میں خاتمہ کیا، پھر مصر کے مملوک سلاطین نے ان مغلوں کو شکست فاش دے کر ان کا رخ پھیر دیا، اور مصر میں مضبوط حکومت قائم کر کے صلیبی جنگوں کا دروازہ بند کیا۔ ان واقعات نے مشرق و مغرب کے درمیان ثقافتی اور معاشی تبادلہ کی راہ ہموار کی۔ قاہرہ اسلامی دنیا کا نیا مرکز بن گیا۔ علم کی مختلف شاخوں مثلاً تاریخ، جغرافیہ، لغت، قواعد، فلسفہ، منطق، اور مذہب و اخلاق سے متعلق کافی کام ہوا جو آج بھی مآخذ کا کام دیتے ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ مختلف الکمال عبقری انسان تھے۔ انھوں نے مختلف علوم پر قلم اٹھائے اور حق ادا کر دیا۔ معاشی مسائل پر بحث ان کی متعدد کتابوں میں کہیں کیجا اور کہیں منتشر طور سے پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی محض علمی زندگی نہیں تھی۔ وہ اپنے عہد کے سیاسی و سماجی معاملات

میں عملی دخل رکھتے تھے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے معاشی نظریات کو درج ذیل موضوعات میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) قیمت عدل، بازار کا نظم MARKET MECHANISM اور تسعیر PRICE-CONTROL

(۲) ملکیت

(۳) حرمت سود اور حقیقت زر

(۴) شرکت ومضاربت اور کچھ دوسرے معاشی ادارے

(۵) ریاست اور اس کی معاشی ذمہ داریاں

(۶) مالیات عامہ PUBLIC FINANCE

معاشیات کے باب میں علامہ ابن تیمیہ کا سب سے نمایاں کارنامہ ثمن مثل یا قیمت عدل، بازار کے نظام اور مسئلہ تسعیر کا تجزیہ ہے۔ قیمت عدل کو معاشی فکر کی تاریخ میں قدیم ترین تصور کہا جا سکتا ہے۔ قرون وسطیٰ میں معاشی مسائل پر سوچنے والوں کا مرکزی موضوع قیمت عدل ہی رہا ہے۔ ابن تیمیہ نے قیمت عدل یا ثمن مثل کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ وہ قیمت ہے جس پر لوگ عام طور سے خرید و فروخت کرتے ہوں اور جو اس مخصوص زمان ومکان میں اس شئ یا اس طرح کی دیگر اشیاء کے مثل سمجھی جاتی ہو۔[۱] ان کے نزدیک قیمت عدل وہ قیمت ہے جو طلب و رسد کے آزاد عمل سے طے پائی ہو۔ اس طرح کی قیمت کی غیر موجودگی میں قیمت عدل کی تعیین کے لئے ابن تیمیہ جمہوری وشورائی طریقہ پر زور دیتے ہیں، یہ قیمت فروخت کنندہ اور خریدار دونوں گروہوں کی رایوں کو معلوم کرکے دونوں کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے طے کی جائے گی تاکہ جبری قیمت کی خرابیوں مثلاً چور بازاری وغیرہ سے بچا جا سکے۔[۲]

طلب و رسد کی قوتوں کے آزاد عمل سے کھلے بازار میں قیمتوں کے طے ہونے کا ابن تیمیہ بہت واضح تصور رکھتے ہیں۔ انھوں نے طلب و رسد کے تغیر سے قیمتوں میں تبدیلی کا تجزیہ کیا ہے[۳] البتہ قیمتوں کے گھٹنے یا بڑھنے سے طلب و رسد کی مقدار پر کیا اثر پڑے گا، اس کا انھوں نے جائزہ نہیں لیا ہے۔ انھوں نے بعض ان محرکات کا تذکرہ بھی کیا ہے جو طلب

اور اس کے نتیجہ میں قیمت کو متاثر کرتے ہیں[۵۴]۔ اس موضوع پر ابن تیمیہ سے پہلے اور ابن تیمیہ کے بعد کئی صدیوں تک کسی نے اس وضاحت سے نہیں لکھا۔ مشہور ماہر معاشیات "شمپیٹر" کے بقول "جہاں تک قیمتوں کے تعین کے نظام MECHANISM OF PRICING کا تعلق ہے اٹھارہویں صدی کے وسط سے قبل کوئی قابل ذکر چیز نہیں ملتی"[۵۵]

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے آپ کو صرف قیمت مثل اور بازار کے نظم کار MARKET MECHANISM کے تجزیہ تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ آگے بڑھ کر ریاست کے ذریعہ تسعیر کے تفصیلی اصول بھی پیش کئے ہیں۔ تسعیر یا جبری قیمت کا موضوع مسلم مفکرین کے درمیان ہمیشہ سے اختلافی رہا ہے۔ ابن تیمیہ کا موقف دو انتہاؤں ۔ مطلق انکار اور بے قید اجازت ـــــ کے درمیان ہے۔ اگر مسابقت پر مبنی بازاری قوتیں آزادانہ کام کر رہی ہوں تو وہ تسعیر کے خلاف ہیں لیکن اجارہ داری یا بازار کے ناقص ہونے کی صورت میں وہ تسعیر کی حمایت کرتے ہیں۔ یہی اصول محنت اور دوسری خدمات پر بھی منطبق ہوگا تاکہ لوگوں کو ایک دوسرے کے استحصال سے بچایا جا سکے[۵۶]۔ انھوں نے تسعیر کے اسلامی اصولوں کو درج ذیل چند لفظوں میں سمو دیا ہے:

> "اگر لوگوں کی ضروریات پوری ہو رہی ہوں اور پیداوار اتنی مقدار میں ہو رہی ہو جو لوگوں کے لئے کافی ہو اور وہ پیداوار معروف قیمت پر فروخت بھی ہو رہی ہو تو کسی تسعیر کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر لوگوں کی ضرورتیں بغیر قیمت عدل طے کئے پوری نہ ہوں تو اس صورت میں غیر کسی کو نقصان پہنچائے یا ظلم کئے انصاف پر مبنی قیمت مقرر کی جائے گی"[۵۷]

علامہ ابن تیمیہؒ نے حق ملکیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ملکیت کا مسئلہ انسان کے بنیادی مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ مختلف معاشی نظاموں کی وجہ اختلاف اگر تلاش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کی بنیادی وجہ حق ملکیت سے متعلق ان کے اختلافات ہیں۔ آیا مطلق الاختیار انفرادی ملکیت ہو یا ملکیت کا تمام تر حق ریاست کو رہے یا کوئی اور صورت ہو؟ معاشی امور پر سوچنے والا ان سوالات سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ علامہ ابن تیمیہ نے اسلام کے نظریۂ

ملکیت کو متعدد مقامات پر واضح کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں ہم تین طرح کی ملکیت کی تفریق کر سکتے ہیں۔ انفرادی ملکیت، مشترک یا سماجی ملکیت اور ریاستی ملکیت۔ ابن تیمیہ کے نزدیک ہر شخص کو کسب ملکیت کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ حق کچھ واجبات کی ادائیگی کے لئے دیا گیا ہے جب فرد ان واجبات کو ادا نہ کرے بالفاظ دیگر شریعت کی خلاف ورزی کرنے لگے تو ریاست اس کے حق ملکیت سے تعرض کر سکتی ہے۔[۵۸]

صوفیاء کے برخلاف ابن تیمیہ مالداری کو فقر پر ترجیح دیتے ہیں۔ دولت کو وہ بہترین اخلاقی زندگی کے حصول کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ بہت سے مذہبی فرائض مال کے بغیر ادا نہیں ہو سکتے مثلاً انسان کا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا یا اپنی عزت نفس کو قائم رکھنا بغیر مادی وسائل کے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کا حصول بھی مطلوب ہوگا۔[۵۹]

سود کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ "سود قرآن میں صاف صاف حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اس مسئلہ پر پیروان اسلام میں کوئی اختلاف نہیں ہے"[۶۰] سود کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ ضرورتمندوں کا استحصال ہوتا ہے۔ اور یہ "اکل اموال بالباطل" میں شامل ہے۔ یہ علت تمام ربوی معاملات میں پائی جاتی ہے[۶۱] علامہ کے نزدیک ربا الفضل اور ربا النسیئہ کی حرمت کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ اصل سود پر منتج ہوتے ہیں[۶۲] ربا کے خاتمہ اور نظام زکات کے قیام سے صحیح معنوں میں غریبی دور کی جا سکتی ہے۔

زر سے متعلق انھوں نے بہت مختصر گفتگو کی ہے۔ انھوں نے زر کا اصل وظیفہ وعمل یعنی دین کا ذریعہ اور قیمت کا معیار بتایا ہے[۶۳] وہ سلطان کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ سکوں کو ان کی حقیقی قیمت کے مطابق جاری کرے۔ اور اس میں کسی کھوٹ کے برے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں[۶۴] ایک سا تھ کھوٹ والے اور اچھے سکے کے استعمال سے کھوٹ والے کے حاوی ہونے اور اچھے سکوں کے گردش سے غائب ہونے کی طرف بھی انھوں نے اشارہ کیا ہے[۶۵] یہ وہ حقیقت ہے جسے معاشیات میں قانون گریشم GRESHAM'S LAW کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس کی دریافت کی نسبت تھومس گریشم ۱۵۷۸ عیسوی کی طرف کی جاتی ہے۔ ابن تیمیہ کے عہد سے متصل بعد فرانس میں نکول اوریم NECOLE ORESME (۱۳۲۰-۱۳۸۲)

پیدا ہوا جس نے زر کی بابت ایک رسالہ تحریر کیا جو کسی معاشی مسئلہ پر پہلی مستقل کتاب سمجھی جاتی ہے[۱۴] اس نے اس رسالہ میں ان باتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جنھیں ابن تیمیہ نے چند سطروں میں سمیٹ دیا ہے۔ دونوں کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مختلف جگہوں پر کس طرح ایک ہی جیسے خیالات نشوونما پا رہے تھے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ ابن تیمیہ اور اس طرح کے دوسرے مسلم مفکرین کے نظریات اب تک پردۂ خفا میں پڑے ہوئے ہیں۔

تحریم سود کی صورت میں شرکت اور کاروبار کی شکل کیا ہو اس پر گفتگو بھی ضروری تھی چنانچہ انھوں نے شرکت و مضاربت اور معاشی سرگرمیوں کی بعض دوسری شکلوں پر اظہار خیال کیا ہے۔ ان خالص معاشی معاملات میں بھی وہ ہدایت الٰہی اور رسالت کو ضروری سمجھتے ہیں کیوں کہ اس میں ایمانداری، عدل، صداقت ایثار اور تعاون جیسی اقدار پر زور دیا ہے اور حسد، بغض، بے ایمانی اور حرص و طمع جیسی برائیوں سے روکا گیا ہے[۱۵] انھوں نے شرکت و مضاربت میں عدل کے تقاضوں پر زور دیا ہے۔ عدل کی رو سے نفع و نقصان دونوں میں سرمایہ و محنت کی شرکت ہونی چاہیئے کیوں کہ عمل پیداوار میں سرمایہ و محنت دونوں حصہ دار ہوتے ہیں۔ نفع کو وہ ایک ایسا اضافہ سمجھتے ہیں جو ایک شخص کی محنت اور دوسرے کے سرمایہ کے نتیجہ میں ظاہر ہوتا ہے اس لئے اس کی تقسیم اس طرح ہونی چاہیئے جیسے کوئی اضافہ دو عوامل کے ذریعہ وجود میں آئے[۱۶]

مزارعت پر بھی انھوں نے تفصیلی بحث کی ہے اور مزارعت کی اس شکل کے برے نتائج پر روشنی ڈالی ہے جس میں ایک فریق کا حصہ متعین ہو اور دوسرے کا غیر متعین[۱۷] مزارعت کی یہی شکل ممنوع ہے۔ لیکن اگر کسی ایک فریق کے لئے کوئی مخصوص حصہ طے نہ ہو بلکہ دونوں جملہ پیداوار میں شریک ہوں تو جائز اور عدل کے عین مطابق ہے۔

مزارعت کی اس بحث سے ایک ضمنی لیکن اہم چیز عوامل پیداوار کے بارے میں معلوم ہوتی ہے انھوں نے بھی تین اہم عوامل پیداوار گنائے ہیں جو عام طور پر جدید معاشیین کے نزدیک معتبر ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ تحریر کرتے ہیں "پیداوار مشترک نتیجہ ہوتی ہے زمین کا جس میں ہوا پانی اور مٹی بھی شامل ہیں۔ عامل کی محنت کا اور بیل اور ہل کا (سرمایہ)[۱۸]

انھوں نے اقطاع سے بھی بحث کی ہے[۱۹]۔ اقطاع ایک طرح کا زمین کا عطیہ ہوتا تھا۔

جو بطور انتظام یا انتفاع فوجی یا حکومت کے اہل کاروں کو دیا جاتا تھا۔ اقطاع کو یورپ کے اس وقت کے جاگیری نظام پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ دونوں میں باوجود ظاہری مشابہت کے بہت بنیادی فرق تھا[۲۲]۔ ابن تیمیہ اقطاع کو ایک سماجی ضرورت سمجھتے ہیں۔ وہ عام طور پر صاحب اقطاع کو راتب کے صلہ میں دیا جاتا تھا، اگر نظام اقطاع کا خاتمہ کر دیا جاتا تو ایسے وقت میں جبکہ نقد ادائیگی تنخواہ آسان نہیں تھی۔ بہت سی مشکلات اٹھ کھڑی ہوتیں۔

معاشی زندگی میں اسلامی ریاست کی کیا ذمہ داری ہوگی اس پر بھی علامہ ابن تیمیہ نے اظہار خیال کیا ہے۔ وہ امامت یا ریاست کو لازمی ادارہ قرار دیتے ہیں[۲۳]۔ ان کے نزدیک اقتدار کو انارکی پر ہر حال میں ترجیح حاصل ہے۔ اگرچہ وہ مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اللہ کی معصیت میں سلطان کی اطاعت نہ کی جائے، لیکن وہ بغاوت یا انقلاب کی حمایت نہیں کرتے[۲۴]۔ وہ ریاست کو مختلف معاشی امور کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور معاشی نظم و ضبط کے سلسلہ میں اس کے لئے وسیع اختیارات تسلیم کرتے ہیں۔ مگر انھوں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ریاست کو جو بھی اختیارات حاصل ہیں وہ مطلق العنان نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت ہیں اور انھیں شریعت کے مطابق استعمال کرنا چاہئے[۲۵]۔

اسلامی ریاست کے مقاصد سے بحث کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ ریاست کا سب سے اہم مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے[۲۶]۔ مذکورہ اصطلاح نہایت جامع ہے اس کے اندر مفید سماجی و معاشی امور کا حکم دینا اور مضر باتوں سے روکنا بھی شامل ہے۔ ریاست کا دوسرا اہم مقصد قیام عدل ہے جس پر ابن تیمیہ نے کافی زور دیا ہے۔ انھوں نے عدل کو سارے عالم کے قیام و بقا کی اصل قرار دیا ہے۔ عدل کے بغیر انسان نہ تو اس دنیا میں فلاح پا سکتا ہے اور نہ آخرت میں[۲۷]۔ انھوں نے اس بات کو تقاضائے عدل میں شمار کیا ہے کہ ہر شخص کو تجارت و صنعت کا پورا حق حاصل ہو اور کسی شخص کو اس کی اجازت نہ ہو کہ وہ اجارہ داری کی صورت حال پیدا کرے اور دوسروں پر معاشی سرگرمیوں کے دروازے بند کر دے۔ اسی طرح عدل کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ سود و قمار پر مبنی سارے معاملات ممنوع قرار دیے جائیں[۲۸]۔ یہ ساری ذمہ داری ریاست پر عائد ہوں گی۔ انھوں نے فرد کو کافی اہمیت دی ہے۔ لیکن معاشرہ کے وسیع تر مفاد میں ریاست فرد کی

آزادی پر حسب ضرورت روک لگا سکتی ہے۔ ریاست اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار ہوگی[۲۹]۔ معاشی امور کے سلسلہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے ریاست، بازار کے عمل کو پابند کرنا[۳۰]، صحت مند پالیسی زر[۳۱] اور منصوبہ بندی[۳۲] جیسی تدابیر اختیار کر سکتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے نظام حسبہ اور محتسب کے فرائض پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ اس ادارہ کے ذریعہ شروع سے اسلامی حکومتیں لوگوں کے معاشی و سماجی معاملات پر نگرانی، دخل اندازی یا پابندی عائد کرتی تھیں۔ الحسبہ کا دائرہ کار صرف معاشی امور تک محدود نہیں تھا بلکہ عمومی و اخلاقی حالت، بلدیاتی دیکھ بھال بھی اس کے ذمہ تھی۔ الحسبہ سے متعلق ذمہ دار کو المحتسب کہا جاتا تھا۔ ضروریاتِ زندگی کی بہم آوری، صنعت و تجارت اور دوسری خدمات کی نگرانی، وزن اور ناپ تول کے پیمانوں کی جانچ پڑتال، پیداوار کے معیار کا جائزہ ذخیرہ اندوزی، دجل و فریب اور سود و قمار پر مبنی معاملات پر روک لگانا المحتسب کے خاص فرائض تھے[۳۳]۔

ابن تیمیہ کے تصور ریاست اور معاشی وظائف کو دیکھتے ہوئے اسے جدید اصطلاح میں فلاحی ریاست کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ابن تیمیہ کا فلاحی ریاست کا تصور جدید فلاحی کے تصور سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر ہے کیونکہ وہ صرف اس دنیا کی فلاح کی بات نہیں کرتے بلکہ ان کے سامنے آخرت کی فلاح بھی ہوتی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے یہاں مالیات عامہ کی بحث بھی کافی طویل ہے۔ اس عہد میں حکام نے بہت سے غیر شرعی و غیر عادلانہ ذرائع آمدنی ایجاد کر لئے تھے۔ مالی انتظام مختلف دفاتر میں منقسم تھا لیکن خرچ کا طریقہ نہایت غیر منظم تھا۔ سماجی ضروریات، فوج، حکومت کے عملہ وغیرہ پر خرچ کے ساتھ ساتھ آمدنی کا ایک بڑا حصہ شاہی محل اور غیر مستحق افراد کی نذر ہو جاتا تھا۔ علامہ ابن تیمیہ نے اپنے عہد کے ناجائز ذرائع آمدنی اور غیر عادلانہ نظام محاصل پر سخت تنقید کی ہے، اور مالیات عامہ کے من مانی خرچ کی مذمت بھی کی ہے[۳۴]۔ لیکن وہ ادائیگی محاصل سے فرار کی حمایت نہیں کرتے خواہ وہ محاصل فی نفسہ غیر عادلانہ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چند لوگوں کا ٹیکس کی ادائیگی سے چھٹکارا پا لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ دوسروں پر زیادہ بوجھ پڑے، خصوصاً جبکہ حکام نے مطلوبہ رقم کسی نہ کسی طرح وصول کرنے کا تہیہ کر رکھا ہو[۳۵]۔ وہ ریاست کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ صاحبِ

استطاعت افراد پر برابر ٹیکس لگائے خواہ وہ ٹیکس صحیح ہو یا غلط، وہ اس کا ایک معاشی و نفسیاتی سبب بیان کرتے ہیں "لوگ اس بات کو قبول کر لیں گے اگر کوئی چیز ان سے ظالمانہ طور ہی سے کیوں نہ لی جا رہی ہو بشرطیکہ سب سے لی جا رہی ہو۔ لیکن وہ اس کو گوارہ نہیں کریں گے کہ کچھ لوگ مستثنیٰ قرار دے دیئے جائیں"۔ اس کے لئے ابن تیمیہ ایک پر لطف اصطلاح "العدل فی الظلم" استعمال کرتے ہیں[۳۴] یعنی تم ظلم کر رہے ہو تو بھی عدل کے ساتھ کرو۔

ابن تیمیہ نے بعض دوسرے مسلم مفکرین کے طرز پر تمام ذرائع آمدنی کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ مال غنیمت، زکات، فئی۔ اس تقسیم میں انھوں نے ان ذرائع آمدنی کے خرچ کے فرق کو ملحوظ رکھا ہے۔ مال غنیمت اور زکات کے علاوہ باقی تمام طرح کی آمدنیوں کو وہ فئی کے تحت درج کرتے ہیں[۳۵] جس میں وہ مال بھی شامل ہے جس کے لئے قرآن میں فئی کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

جہاں تک خرچ کا تعلق ہے علامہ نے اس پر زور دیا ہے کہ مالیات عامہ ذمہ داران حکومت کے ہاتھوں میں ایک امانت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سامنے رکھ کر اسے عوام کے بہترین مفاد میں خرچ کرنا چاہئے[۳۶] ان کے نزدیک سربراہ حکومت کو ایک عام شہری سے زیادہ اس مال میں حق نہیں ہوتا جیسا کہ خلفاء راشدین کا عمل بتاتا ہے۔ سماجی طور سے ناپسندیدہ چیزوں پر خرچ کے وہ سخت مخالف ہیں۔ خرچ کی مدات کے انتخاب میں مسلمانوں کی عام فلاح کے اہم کاموں کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی[۳۷] ان کی نظر میں خاص خاص خرچ کی مدات حسب ذیل ہیں۔

علاج، فقر و فاقہ، سرحدوں کی حفاظت اور جہاد کی تیاری، داخلی امن و سلامتی کو برقرار رکھنا، وظائف اور سرکاری ملازمین کی تنخواہیں، تعلیم و تربیت، سماجی و عوامی ضرورت کی چیزیں جیسے سڑک، پل، نہریں وغیرہ اور دیگر فلاح عامہ کے کام[۳۸]

علامہ ابن تیمیہ نے حکومت کے اخراجات کی جانب نسبتہً زیادہ توجہ دی ہے اور کیوں نہ ہو حکومت کے اخراجات ہی اس کی آمدنی کی ضرورت اور مقدار طے کرتے ہیں۔ علماء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا ریاست کو اختیار ہے کہ زکات کی ادائیگی کے بعد وہ مزید آمدنی کا مطالبہ

کرے، بالفاظ دیگر کیا زکات کے ساتھ ان پر کچھ اور مالی ذمہ داریاں ہیں؟ بہت سے علماء کی رائے یہ ہے کہ زکات کی ادائیگی کے بعد لوگوں پر کوئی مالی ذمہ داری نہیں رہتی۔ ابن تیمیہ کی رائے اس کے برخلاف ہے۔ وہ ریاست کو بہت سی معاشی و سماجی سرگرمیوں کا ذمہ دار گردانتے ہیں اور اس کے لئے مال کی کمی کو نظر انداز نہیں کرتے۔ اس لئے وہ زکات کے علاوہ بھی مالی ذمہ داریوں کے حق میں ہیں۔ اس کی وہ بہت لطیف دلیل دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک زکات کے وجوب کا سبب مال کا ایک خاص مقدار میں (نصاب بھر) پایا جانا ہے[۳]۔ لیکن دوسری مالی ذمہ داریوں کا سبب مال کی کوئی مقدار نہیں بلکہ ضرورت کا درپیش ہونا ہے۔ قرض کی ادائیگی، اقرباء کے حقوق، ہمسایوں اور ضرورتمندوں کی مدد جیسی جگہوں پر خرچ کرنے کے لئے کوئی نصاب نہیں ہے۔ مال اس کے لئے شرط ہے سبب نہیں۔ ہر شخص کو اپنی وسعت کے مطابق ان پر خرچ کرنا ہے[۴]۔ قدماء میں ابن حزم کے سوا کسی نے زکات کے سوا مالی ذمہ داریوں پر اس زور کے ساتھ گفتگو نہیں کی ہے[۵]۔ زکات اور دوسری مالی ذمہ داریوں میں فرق کرنا ان کی وسیع معاشی نظر کی دلیل ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کی معاشی رایوں کا قدماء اور موخرین کی آراء کے ساتھ موازنہ اور اس دور کے یورپ میں پائے جانے والے معاشی فکر سے تقابل مفید اور دلچسپ موضوع ہے۔ لیکن طوالت کے اندیشہ سے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا خیالات بھی بس اشاروں کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ ان کے افکار کی دنیا بڑی وسیع ہے۔ ابن تیمیہ کے معاشی افکار ان کے سوانح نویسوں کی نظر سے عام طور پر مخفی رہے ہیں۔ انھیں منظر عام پر آنا چاہیئے۔ اس کی حیثیت معاشی فکر کی ایک اہم گمشدہ کڑی کی بازیافت کی ہوگی۔ امید ہے اسلامی بنیادوں پر معاشیات کی تعمیر نو کے لئے کوشاں مسلم معاشیین ابن تیمیہ کی تحریروں کی طرف توجہ کریں گے جن میں ان کی رہنمائی کا کافی سامان موجود ہے۔

---

[۱] ابن تیمیہ، مجموع فتاوی شیخ الاسلام احمد تقی الدین ابن تیمیہ جلد ۲۹ صفحہ ۳۴۵ (مطبوعہ ریاض، مطابع الریاض ۱۳۸۱ھ) تفسیر سورہ نور صفحہ ۱۰۳ (قاہرہ: ادارہ طباعۃ منیریہ ۱۳۴۳ھ) [۲] ابن تیمیہ، الحسبہ و مسئولیۃ الحکومۃ الاسلامیہ صفحہ ۱۸ (قاہرہ: دار الشعب ۱۹۷۶) [۳] ایضاً صفحہ ۲۴، نیز مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ جلد ۸ صفحہ ۵۲۳۔ [۴] مجموع فتاوی جلد ۲۹ صفحہ ۲۵-۵۲۴ [۵] شمپیٹر، جوزف اے ہسٹری آف اکنامکس انالسس صفحہ ۳۴۵ (لندن جارج ایلن اینڈا

(لندن لیمٹڈ ۱۹۷۲ آٹھویں اشاعت) SCHUMPETER, J.A, HISTORY OF ECONOMIC-

ANALISIS, P. 305 LONDON: GEORGE ALLEN & CO. 1972 EIGHTH PRINT.

۶ه ابن تیمیہ، الحسبہ ص ۲۴-۲۵، ۲۷، ۳۰، ۳۴، ۴۳، ۷ه ایضاً ص ۱۵ ۸ه ایضاً ص ۳۰، نیز مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۹۔ ۹ه ایضاً مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۷۸ ۱۰ه ایضاً ص ۱۴ ۱۱ه ایضاً ص ۱۹، ۵۵، ۴۳ ۱۲ه ایضاً ص ۲۲ ۱۳ه ایضاً ص ۴۷۲ ۱۴ه ایضاً ص ۴۹، ۶۲ ۱۵ه ایضاً

۱۶ه مونرو، ارتھرالی "ارلی اکونومک تھاٹ" ص ۷۹-۱۰۲ (کیمبرج: ہارورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۶۵)

MONROE, A.E, EARLY ECONOIMIC THOUGHT PP 79-102,

CAMBRIDGE: HARVARD UNIVERSITY PRESS 1965.

۱۷ه ابن تیمیہ، مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۹۹-۱۰۰ ۱۸ه ایضاً جلد ۳۰ ص ۸۷ ۱۹ه ابن تیمیہ، القواعد النورانیہ ص ۱۶۶ (قاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۷۰ھ) مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۱۰۰ ۲۰ه ایضاً مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۱۰۳ ۲۱ه ابن تیمیہ مختصر الفتاوی المصریہ مرتبہ محمد علی البنلی ص ۳۲۵، ۳۲۸ (قاہرہ: مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۹۴۹) ۲۲ه کاہن "اقطاع" در انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد ۳ ص ۱۰۹۰ (لندن: لوزاک اینڈ کمپنی، نیا ایڈیشن ۱۹۷۱)

CAHEN C.L. "IKTA" IN ENCYCLOPADIA OF ISLAM, VOL iii P. 1090 LONDON: LUSAC and CO. NEW EDITION 1971.

۲۳ه ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیہ ص ۱۸۴ (قاہرہ دارالشعب ۱۹۷۱)

۲۴ه ایضاً ص ۶۱، ۱۸۴، ۱۸۵ ۲۵ه ایضاً ص ۲۲ ۲۶ه ایضاً ص ۴۳ ۲۷ه ایضاً ص ۱۸۹ نیز الحسبہ ص ۹۵ ۲۸ه الحسبہ ص ۱۹-۲۰، ۴۳، ۲۳۷ ۲۹ه السیاسیہ ص ۳۶، ۷۰ ۳۰ه الحسبہ ص ۴۳، ۳۶، ۴۳، ۴۱ ۳۱ه مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۲۶۹ ۳۲ه الحسبہ ص ۳۱ ۳۳ه الحسبہ ص ۳۶، ۱۹-۲۰، ۲۰، ۲۱، ۳۴ ۳۴ه مجموع فتاوی جلد ۳۰ ص ۲۵۰-۲۳۷، ۲۴۲-۲۴۴ ایضاً جلد ۲۸ ص ۲۷۲، ۵۹۱ ۳۵ه ایضاً جلد ۳۰ ص ۳۲۸-۳۲۹، ۳۴۰ ۳۶ه ایضاً جلد ۳۰ ص ۳۴۰-۳۴۲ ۳۷ه ایضاً جلد ۲۸ ص ۳۶۹ ۳۸ه السیاسیہ ص ۳۲، ۱۷۸ ۳۹ه مجموع فتاوی جلد ۲۹ ص ۵۹۶ ۴۰ه ایضاً ص ۷۶، ۸۶، ۶۷-۵۶۲، السیاسیہ ص ۶۵ ۴۱ه ابن تیمیہ۔ الایمان ص ۲۹۹ (بیروت المکتب الاسلامی ۱۳۹۲ھ) ۴۲ه ابن حزم کتاب المحلی جلد ۶ ص ۱۵۶-۱۵۹ (قاہرہ، مطبوعۃ المنیریہ ۱۳۴۷ھ)